اپنی پسندیدہ "پالیسی" کی گیند لڑھکا دی ہے۔ خصوصاً پیپلز پارٹی کے منتارزیرِ پردہ دگان اور ایم آر ڈی کے سربراہان فلسطین کے درد میں تڑپ رہے ہیں۔ نمونہ ان کا یہ ہے کہ ہمیں اور ہمارے کارکنوں کو لبنان بھجوایا جائے۔ چندہ بھی ہو رہا ہے، خون بھی اکٹھا ہونے لگ گیا ہے، آدمیوں سے دستخط بھی لیے جا رہے ہیں۔

مگر ان ظالموں کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں، انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ آپ سے اہلِ فلسطین کی حمایت یا اسرائیل کی مخالفت میں دستخط لینے یا کچھ کہلوانے کے لیے آئیں تو آپ ان سے پوچھیں کہ آخر مظلوم اہلِ افغانستان کی حمایت اور روس کی مخالفت میں تین برس سے آپ لوگ کیوں گونگے تھے؟ اس کے جواب میں یہ آئیں بائیں شائیں کر کے رہ جائیں گے۔

بیک وقت دو متضاد پالیسیوں کو اکٹھا کرنا کسی بھی نظریاتی گروہ کے لیے تباہ کن ہوتا ہے مگر سُرخ انقلابی دانشوروں نے دو مسلمان قوموں کے متعلق متضاد پالیسیوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی ہوتے ہیں "بے اُصولی"۔

ان کا سارا زور یہ ہے کہ افغانستان کے مسئلے کو فلسطین کے مسئلے سے بالکل الگ کر لیا جائے، مگر ہم خدا پرستوں اور حق پرستوں کو ان کے ٹیڑھے طرزِ فکر سے آگاہ کر کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ تمام تحریروں، تقریروں اور گفتگوؤں میں دونوں مسئلوں کو اکٹھا لیجیے اور دونوں سپر پاورز کو اکٹھا رگید دیجیے۔ یہ آپ سے تائید حاصل کرنا چاہیں .... تو مطالبہ کیجیے کہ ہماری پڑوسی اور برادر افغانستانی قوم کی مظلومیت پہ بے حسی نہ دکھائی جائے اور دونوں طرف کی جارح قوتوں اور اُن کے پشتیبانوں کی مذمت کی جائے۔

جملۂ معترضہ پورا ہوا۔

آج عبرت ناک مسئلہ یہ ہے کہ لبنان میں اتنا بڑا سانحہ گذر گیا، مگر عالمِ اسلام میں اِس سرے سے اُس سرے تک سناٹا طاری ہے۔ کوئی زوردار آواز نہیں اُٹھی، کہیں بڑے احتجاجی مظاہرے نہیں ہوئے، کہیں جلوس نہیں نکلے، کہیں ہڑتالیں نہیں ہوئیں[۱]۔ یوں معلوم ہوتا ہے

---

[۱] عبرت ناک واقعہ ہے کہ حالیہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف زیادہ سے زیادہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

جیسے ایک ارب آبادی اپنی چالیس پینتالیس سلطنتوں کے باوجود کُن ہو کر رہ گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟[1]

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے پیارے مسلمانانِ گرامی قدر نے اسلام کو چھوڑ کر لادینیت، قومیت، وطنیت اور سوشلزم کے نظریے اپنا رکھے تھے۔ بعض ایسے ممالک میں جہاں برائے زینت دستور میں اسلام کا ذکر ہے یا معاشرے میں چند رسوم و تقاریب اسلامی نوعیت کی بھی جاری ہیں۔ وہاں بھی برسرِ اقتدار گروہ یا کم سے کم ذہین طبقوں اور اُن کی لیڈر شپ نے مغرب پرستی یا اشتراکیت پسندی کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ حتیٰ کہ آج لبنان میں چھاپہ مار فلسطینیوں کی جو آبادی موجود تھی اس کی اکثریت دین سے بیگانہ ہو کر رُوس کو پیر مان چکی ہے۔ اسی وجہ سے یاسر عرفات جو متعدد بار ماسکو کا طواف کر چکے ہیں، آج ان کے اس قول میں حسرتِ ناکام کا رنگ جھلکتا ہے کہ کاش کہ رُوس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

پُر زور احتجاج خود یہودیوں ہی نے کیا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں بھی اور خود اسرائیل میں بھی۔ اس قوم کے حساس نوجوانوں نے اسرائیلی فوج کے ساتھ لبنان کی بہیمانہ کارروائی میں شرکت سے انکار کر دیا۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

[1] ستم یہ کہ لبنان کے عیسائیوں (فلانجیوں) کی روش نے اس تجربہ قومیت کو اور بھی تلخ بنا دیا۔ پہلے تو لبنانی مسلمانوں کو مقامِ اکثریت سے گرانے کے لیے فلانجیوں نے لمبا دورِ خانہ جنگی گذارا اور خوب تباہی مچا کر ثابت کر دیا کہ عیسائی اور مسلمان ایک وطنی قوم نہیں بن سکتے۔ اِن حالات میں بھی فلسطینی چھاپہ ماروں اور پناہ گزینوں کا لبنانی عیسائیوں سے بڑا یارانہ تھا۔ مگر جب اسرائیلی فوج داخل ہوئی تو عیسائیوں نے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا، تب فلسطینیوں کی آنکھیں کھلیں۔ دراصل امریکی اسرائیلی منصوبہ یہ ہے کہ یہودی ریاست کے پہلو میں ایک عیسائی ریاست بھی قائم ہو جائے تاکہ مغرب کا مسلم دشمن محاذ مشرقِ وسطیٰ میں مضبوط ہو جائے اور مسلمان حکومتوں اور قوموں کو دبانے کے لیے یہ دونوں "اڈے" استعمال ہوں۔ اس حکمتِ عملی کے معنی یہ بھی ہیں کہ یہودی اور عیسائی مل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کریں۔